(سماجی انقلاب کی ایک مجلس)

پہلی شام

رمضان کی ایک شام۔ کالج ہوسٹل۔ قریشی کا کمرہ ایک درجن نوجوان طلبہ تیزی اور خاموشی سے پانچ منٹ تک خوانِ یغما پر ہاتھ اور منہ مارتے مارتے ذرا ڈھیلے پڑتے ہیں اور آوازیں شروع ہوتی ہیں۔

احمد۔ یارو افطار تو بڑا زوردار ہے۔ طالب علمی کی زندگی میں تو کبھی نصیب نہ ہوا تھا۔

صغیر۔ جیسے آپ بڑے مسکین روزہ دار ہی تو ہیں۔ دن بھر پانچ کتوں کی خوراک کھا کر ہمارے ساتھ افطار کرنے بیٹھے ہیں، اور کھانے پر یوں گرے پڑتے ہیں جیسے بیچارے دو روز کے فاقہ کش ہیں۔ قریشی تم نے ان حرام خوروں کو بلا کر ہمارے روزے بھی گندے کئے۔

احمد۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ ہم حرام کھا رہے ہیں۔ تم نے پہلے کیوں نہیں کہدیا؟ تم دو تین گدھوں کے سوا ان میں روزہ دار، اور آپ کے حسابوں افطار کا حقدار ہے کون؟ اور ان کے روزوں کی حقیقت بھی مجھ سے چھپی نہیں۔

زکی۔ کیا کیا؟ بتا دے بھیا۔ یہ قریشی دین اسلام اور دینِ فطرت کے ناموں سے ہر وقت اور بے وقت ہم پر رعب گانٹھا کرتا ہے۔ اور صغیر دو چار پاروں کا حافظ یعلمون تعلمون حلق سے نکالنا کیا سیکھ گیا جب دیکھو امام غزالی بنا ہوا ہے۔

احمد۔ نمک کھاتے ہوئے نمک حرامی کو جی نہیں چاہتا، نہ میں خسارہ سہنے کو تیار ہوں۔ کھانے سے فراغت کر کے چائے پر بتاؤں گا۔ وہ دیکھو اتنی سی گفتگو سے بھی بڑا خسارہ ہو گیا مگوچھیاں سلیم نے پے در پے اپنے فراخ گلپھڑے میں اتار لیں اور رس ملائی کے سہ دِگوں لے انصاری صاف نگل گیا۔

(چائے کا دور چلتا ہے۔)

احمد۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم میں کوئی ایسا سپوت تو نہیں جس کی اماں بارہ کتوں کی پُر تکلف خوراک اس دریا دلی سے افطار کے لئے بھیجیں۔ اور اتنی نمائش کے ساتھ۔ یہ چاندی سونے کے ورق، پستے، بادام، کھوپرے کی رنگا رنگ ہوائیاں۔ تم قیاس کر سکتے ہو کہ معاملہ کیا ہے؟

سلیم۔ بھئی یہ تو مجھے بھی کھٹک رہا ہے۔

انصاری۔ ہاں یارو ہے تو کچھ دال میں کالا کالا۔

قریشی۔ ابے چنے کی دال پر سیاہ مرچیں چھڑکی ہوئی تھیں اور کیا کالا کالا ہے، تو اتنا بھی نہیں جانتا کبھی روزہ رکھا ہو اور چنے کی دال کھائی ہو تو جانے۔ کرسٹان کہیں کا!

انصاری۔ احمد بھئی اس مومن کے روزوں کی حقیقت جلد کھولو۔ یہ بہت منہ آ رہا ہے۔

احمد۔ بات یہ ہے کہ قریشی کے ایک رشتہ کے خالو ہیں۔ بڑے متشرع ملا اور دولتمند۔ ان کی ایک ہی لڑکی ہے۔ بڑے بڑے تعلقہ داروں اور اعلیٰ عہدہ داروں کے ہاں سے پیغام آتے ہیں، مگر اُن کی دینداری کے معیار پر کوئی لڑکا نہیں اترتا۔ قریشی کی تلاوت قرآن اور روزوں نمازوں کی عمر یکسالہ ہے۔ بس بات پکی سمجھو۔

قریشی۔ تم لُچے ہو۔

احمد۔ سچ کہو یہ خوان تمہاری خالہ کے ہاں سے نہیں آتے؟

قریشی۔ بیشک۔ یہ کونسی انوکھی بات ہے؟ تمہارے جیسے نالائقوں کا کوئی چاہنے والا بزرگ نہ ہو تو میرا کیا قصور؟

احمد۔ اچھا تو جواب دو۔ نمبر ایک، احسن بھی تمہاری ان شفیق خالہ کا حقیقی بھانجہ ہے اور تم دُور کے۔ اُس کے گھر بھی کبھی یہی افطار آیا؟ نمبر دو، یہ طلائی نقرئی ورقوں اور رنگین ہوائیوں کی نمائش گھروں میں عزیزوں کیلئے بھی ہوتی ہے؟ نمبر تین، تمہیں سچ کہدو، روزہ رکھکر جھوٹ نہ بولنا، تمہاری نسبت اُن کے گھر قرار نہیں پائی؟

(سب قریشی کا منہ تکتے ہیں۔ قریشی ایک منٹ خاموش رہتا ہے پھر کچھ بولنا چاہتا ہے۔)

چچا[1]۔ دیکھو رمضان میں جھوٹ کو افطار میں شامل نہ کرنا عیب ہی کیا ہے۔ بڑی مسرت کی خبر ہے۔ اللہ ایسی سسرال سب کو نصیب کرے۔

انصاری۔ اور بیوی خواہ کیسی ہی ہو؟

احمد۔ اور کیا؟ عجب بیوقوف معلوم ہوتے ہو۔ کس صدی کی باتیں کرتے ہو؟ بیوی ایک ضمنی اور فرعی سوال ہے۔ عورت کا ہونا کافی ہے۔ سوال کچھ معشوق چننے کا تھوڑا ہی ہے۔ بیوی اور معشوق دو مختلف جنسیں ہیں جو ہندوستان میں کبھی اکٹھی نہیں ہوا کرتیں۔ جبھی تو معشوق کی ضرورت ہم خفیہ پوری کر لیتے ہیں اور بیوی کی علانیہ۔

قریشی۔ یہ تمہارا ذاتی تجربہ ہوگا یا ——

احمد۔ پھر منہ کھلواتے ہو۔ تم دولت کے سوا کس چیز سے بیاہ کر رہے ہو؟ میاں صغیر، جمیل، سلیم، انصاری، جیلانی، اور کتنے نام گناؤں؟ یہ ہمیں ایمانداری سے بتادیں کہ ان کا معاشی مدار ان کے والدین پر کتنا ہے، اور سسرال پر کتنا؟ آج یہاں ہم ایک درجن احباب جمع ہیں۔ ان میں نصف درجن شادی شدہ ہیں، ایک کے گلے میں یہ رسّی پڑا ہی چاہتی ہے، باقی پانچ شاید آزاد ہیں۔ کیوں نہ آج اس اہتم بالشان سماجی مسئلہ کا حل ہو جائے؟ اس طرح کہ سب اپنی اپنی بیوی کا تازہ خط پڑھیں۔

زکی۔ ہاں بھئی یہ زور کی رہی۔ میں تائید کرتا ہوں۔

قریشی۔ صدر میں ہوں۔ میری اجازت کے بغیر یہ تحریک اور تائید کیا معنی؟ اچھے آئے لوگوں کی بیویوں کے خط سننے۔ یہ شوق ہو تو جاؤ، "دلہنوں کی ڈائری"، روزنامچے، بازاری افسانے پڑھو، سنیما میں یہ شوق پورا کرو۔ تم نے یہ غلط حلقہ تاکا ہے۔

احمد۔ میں کہتا ہوں تم سب شادی شدہ لوگ اپنی بیویوں کے غلام ہو، اُن کی نظروں میں تمہاری کوئی وقعت نہیں۔ ان میں سے اکثر پھوہڑ، بدسلیقہ، بدمزاج، بھونڈی یا ناتندرست دائم المرض ہیں۔ ان کی دولت نے تمہیں پھانس لیا ہے یا تم نے اُن کو پھانس کر مُفت کی دولت حاصل کی ہے۔ میرے دعوے کے ثبوت تمہاری جیبوں یا اٹاچیوں میں موجود ہیں۔ عدالت سے میری درخواست ہے کہ ان کو ان دستاویزوں کے حاضر کرنے یا خانہ تلاشی سے برآمد کرنے کا حکم صادر کرے۔

قریشی۔ فریق مخالف کے پاس کیا جواب ہے؟

صغیر۔ ہمیں عذر نہیں۔ صرف ایک ہفتہ کی مہلت چاہیئے ہے۔

چچا۔ جی۔ تاکہ آپ ایک ایک من مانا مسودہ گھر بھیجکر اپنی اپنی بیوی سے اسکی نقل منگوالیں اور ہم پر ان کی زلیخا منشی جمادیں۔ اس کی سہی نہیں۔ بس جو خط موجود ہیں ایمانداری سے نکال کر حاضر کیجئے۔ (سنجیدہ شکل بنا کر) دل لگی برطرف۔ شریف بیویوں کے خطوط ہیں، بازاری عورتوں کے نہیں۔ یقیناً ان میں کوئی بات شرم و حیا کے خلاف نہ ہوگی۔ کم سے کم میرا مقصود دماغی عیاشی یا آپ کی تضحیک نہیں۔ بلکہ میرے خیال سے یہ غیر شادی شدہ جوانوں کیلئے سبق آموز اور تدبر افزا ہونگے۔ مذاق مذاق میں ہم نے سماج کی ایک دکھتی ہوئی رگ پر انگلی رکھ دی ہے۔ وقت کی ایک بہت بڑی سماجی اصلاح کیلئے بیویوں کے خطوط کیا ہیں، ہمیں کوئی قربانی بھی کرنا پڑے تو دریغ نہ رکھنا چاہیئے۔

(چچا کی سنجیدگی اور لہجہ کی رقّت سب کو متاثر کر دیتی ہے)

قریشی۔ میرا فیصلہ ہے کہ یہ مبارک کام ضرور انجام پائے۔ احباب اپنی بیویوں کے خطوط سے محظوظ نہیں مستفیض کریں۔

دوسری شام

بعد افطار۔ احمد کا کمرہ۔ پہلی شام کے احباب کے علاوہ چند ہندو طلبہ بھی موجود ہیں۔

چچا۔ دوستو ہم جس غرض سے یہاں جمع ہوتے ہیں وہ آپ کو معلوم ہے۔ آج چار درویش کی کہانیوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ چار کے عوض چھ درویش ہونگے۔ ایک خیال جو ہنسی کھیل میں پیدا ہوا تھا آج کسی قدر سنجیدگی سے اس پر غور کرنے اور عملی قدم اٹھانے کا موقع حاصل کیا جاتا ہے۔ اکثر بڑے بڑے کاموں کا آغاز حقیر، اتفاقی، بے ارادہ، بے معنی تفریح اور دل لگی میں ہوا ہے اور انجام عظیم الشان محیر العقول، انقلاب انگیز۔ خدا کرے ہمارے ہنسی کھیل کا نتیجہ بھی ایسا ہی ہو۔

پہلے میں اُن احباب کے شکریہ کی تجویز پیش کرتا ہوں جنہوں نے ایک بلند مقصد کی خاطر ازراہِ قربانی اپنی بیگموں کے نجی خطوط بے تامل میرے حوالے کر دئے (تالیاں)، میں ایک ایک خط پڑھونگا اور مکتوب الیہ صاحب اپنی اپنی ازدواجی سرگزشت سے اسکی تشریح فرمائیں گے۔ (تالیاں)

(چچا ایک خط نکال کر پڑھتے ہیں)

---

[1] عمر میں ساتھیوں سے کچھ زیادہ ہیں۔ ایک ہم جماعت —— رشتہ کا بھتیجہ ہے۔ نیک اور خاموش ہیں۔ فرنچ کٹ ڈاڑھی کے گنہگار بھی ہیں اس لئے چچا کے لقب سے مشہور ہیں۔

"متواتر تین خط ملے۔ میری سہیلی جہاں آرا کی شادی تھی۔ جواب کی فرصت نہ ملی۔ نہ کوئی خاص بات قابل تحریر تھی۔ ہر طرح خیریت ہے۔ اتنی دریافت خیریت اور پریشانی کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ پوجا کی چھٹیوں میں اماں (ساس) نے رخصتی کیلئے لکھا تھا۔ امّی جان نے جواب دیا ہے کہ تمہیں تعطیل یہاں گذارو تو زیادہ بہتر ہے۔ اگر اماں نے تمہارے ایما سے یہ خط لکھا تھا تو تعجب ہے۔ کیونکہ یہ پہلے ہی طے پا چکا تھا کہ تمہاری فراغت تعلیم اور حصول ملازمت تک رخصتی نہ ہوگی۔

ایک سو روپیہ کل ابا نے بیمہ رجسٹری سے روانہ کیا ہے۔ امتحان یونیورسٹی کی فیس اور دوسرے مطالبات کی رقمیں داخل کرنے کی تاریخ سے مطلع کرنا وقت پر وہ بھی پہونچ جائیں گی۔"

اب پہلے درویش جمیل صاحب جن کے نام یہ خط ہے اپنی سرگزشت بیان کریں۔

جمیل:- دوستو۔ میں ایک عالی نسب مگر غریب خاندان کا فرد ہوں۔ ہماری ساری آبائی جائداد دو بہنوں کی شادی میں بہنوئیوں کے مطالبات کی نذر ہوگئی۔ والد صاحب سکریٹریٹ میں کلرک تھے۔ دو یتیم بھتیجوں اور بھاوج کی پرورش کے علاوہ ایک بھتیجے اور میری تعلیم کا بارِ گراں انکے سر تھا۔ انٹرمیڈیٹ میں پہونچتے ہی میری شادی کے پیام آنے لگے۔ ان میں ایک ذی ثروت لڑکی والے کی ڈاک سب سے اونچی تھی۔ میرا نیلام اسی کے نام پر ختم ہوا۔ انہوں نے مطالبات شادی کے علاوہ پانچہزار نقد اور میری بقیہ تعلیم کے اخراجات برداشت کرنے کا ذمہ لیا۔ گھر کی حالت دیکھتے ہوئے میں نے کوئی تعرض نہ کیا۔

شادی ہوئی۔ مداراتیں ہوئیں۔ دونوں طرف سے لڑکی والوں ہی کا خرچ تھا۔ برات دھوم سے نکلی۔ سارا شہر، قصبات کے سارے رشتہ دار، شناسا و ناشناسا، سینکڑوں مہمان تھے۔ نکاح ہوا۔ جہیز بھی شاندار ملا۔ زیورات کے علاوہ سامانِ خانہ داری اور فرنیچر اتنے تھے کہ میرے گھر میں اُن کی گنجائش نہ تھی۔ سب کچھ دیا مگر پانچ ہزار نقد نہ دئے۔ قصّہ بڑھا، قضیہ طول کھنچا، دُلہن کو رخصت نہ کرلے جانے کی دھمکی دی گئی۔ مگر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ لوگ نازپروردہ بیٹی کو غریب خانے میں جانے دینا پسند کب کرتے تھے۔ برات دُلہن کے بغیر لوٹی۔ ابّا طلاق کی دھمکی زبان پر لاتے لاتے رُک گئے۔ پچاس ہزار دین مہر نے جس کا نصف بھی پچیس ہزار کا بھاری پتھر ہوتا ہے لب پر مُہر لگا دی۔ آخر مجھے سُسرال جانے سے روک دیا۔ مشکل سے ایک مہینہ رکا ہونگا کہ اوّل تو دُلہن کا شب عروسی کا حُسن و جمال دل میں چٹکیاں لینے لگا۔ ہمارے ہاں رونمائی اور خلوت نکاح کی رات میں عروس کے گھر میں ہی ہوجاتی ہے، آخر وہ میری دُلہن تھی، ملنے کیلئے دل بہانے ڈھونڈھنے لگا۔ دوسرے بعض رشتہ کے سالے جو میرے ہم جماعت تھے مجھے لے کر گھر گئے اور دُلہن سے ملا دیا۔ پھر میں ابا سے پوشیدہ وقتاً فوقتاً سُسرال آنے جانے لگا۔ مداراتیں رہیں، خاطرداریاں ہوئیں، مختلف تقریبوں سے سینکڑوں روپے ملتے رہے۔ آخر ابا کو پتہ چل گیا۔ چُپکے رہ گئے۔ مگر مجھ سے کچھ کھنچے کھنچے رہنے لگے۔ امّاں نے بیچ بچاؤ کی بہتیری کوشش کی مگر ان کے دل سے کھٹک نہ گئی۔ اماں بہو کے دیکھنے کو ترپا کیں، ابا کے خوف سے نہ اُن کو بلا سکتی تھیں، نہ آپ سمدھیانے جاسکتی تھیں۔

میں نے آئی۔ اے پاس کیا اور ابا کو دفعتاً نمونیہ ہوگیا۔ رحلت فرما گئے اور شاید کدورت ساتھ لیتے گئے۔ ساس سُسرے آئے اور بیٹی کو ہمراہ لائے۔ امّاں غمزدہ اور بے حواس تھیں۔ کارخانہ میری ساس نے اپنے ہاتھ میں لیا، قرآن خوانی، فاتحہ، چہلم سب اپنے خرچ سے پورے تکلف اور نمائش سے انجام دئے اور بیٹی کو لئے گھر واپس گئیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ ہمارا گھر کیسے چلے۔ میری ساس نہایت محبت سے میری والدہ اور سارے متعلقین کو اپنے گھر اُٹھ چلنے کی دعوت دیتی گئیں۔ اماں نے اسے گوارا نہ کیا۔ اب میں یہ سوچنے لگا کہ تعلیم کا سلسلہ موقوف کرکے کوئی کام دھندہ دیکھوں۔ یہ سُسرے کو گوارا نہ تھا۔ ایک دن مجھے بلاکر نہایت شفقت سے کہنے لگے:-

"میں نے شادی میں تمہیں پانچ ہزار نقد دینے کا جو وعدہ کیا تھا اُسے پورا نہ کیا، جس کا بھائی صاحب مرحوم (والد) کو مرتے دم تک ملال رہا۔ اللہ مغفرت کرے وہ میرا عذر اور عندیہ نہ سمجھ سکے۔ مگر اب تم سمجھ سکتے ہو۔ میں نے یہ رقم کچھ تو لی تھی مگر بجبر و اکراہ۔ یہ نہیں کہ ادا نہ کرسکتا تھا بلکہ بلا تقریب و توجیہہ محض تلک کے طور پر ایک سو بھی دینا یا داماد کی قیمت ادا کرنا برداشت نہ تھا، نہ کسی باعزّت، غیور، شریف آدمی کو گوارا کرنا چاہیے۔ تم نے دیکھا میں نے کسی تکلّف میں کمی نہ کی۔ تم لوگوں کی توقع سے زیادہ جہیز تحائف اور دو طرفہ اخراجات شادی میں اُٹھا دئے۔ رسوم شادی کے طور پر یہ پانچ ہزار گنوانا میں نے اصولاً اور طبعاً شرمناک محسوس کیا تھا۔ مگر میں اپنی زبان پر قائم ہوں۔ ادا کرنے کو تیار ہوں۔ اتنا ہی نہیں، زیادہ۔ اس شکل میں کہ ماہوار تمہاری والدہ کو ایک معین رقم ادا کرتا رہوں۔ اُمید ہے کہ انہیں اپنی باقی کی واجب ادائی کی یہ صورت

قبول کرنے میں تامل نہ ہوگا۔ رہے تمہاری تعلیم کے اخراجات، یہ اس کے علاوہ ہوں گے کیونکہ اس میں کم و بیش میرا ذاتی مفاد شامل ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ میرے خسر ایک شریف خاتون کے نازک احساس کو خوب سمجھتے تھے۔ اماں کو اعانت قبول کرنے پر آمادہ کرنے کو یہ منطق پیدا کی تھی۔ ورنہ پانچ ہزار یا دو ہزار یا سات ہزار کی کوئی قید باقی نہ رہ گئی تھی۔ ان کی منطق کام کر گئی۔ اماں کو اعانت کے نام سے نفرت تھی، وصولی قرض کے نام پر راضی ہوگئیں اور گھر چلنے لگا۔ واقعی جیسا میر صاحب نے کہا تھا پانچ ہزار سے بہت زیادہ ہم لوگوں پر صرف کر چکے۔ میں بی۔ اے کی تعلیم کے لئے یہاں بھیج دیا گیا۔ اب اماں کا صرف ایک دلی ارمان رہ گیا ہے۔ وہ یہ کہ بہو اُن کے گھر آتی اور اُسکے والدین آنے نہیں دیتے۔ رخصتی کو میری فراغت تعلیم پر مشروط کر رکھا ہے۔

احمد:۔ یہ تو رہا معاشی پہلو۔ ازدواجی تعلقات آپ نے ابھی بیان نہیں کئے۔

جمیل:۔ کیا یہ خ[illegible] نمایاں نہیں؟ ویسے بیگم میرا بہت خیال رکھتی ہیں۔ کسی بات کی تکلیف ہونے نہیں دیتیں۔ مگر میرے اعزا سے کوئی دلچسپی نہیں۔ جب دیکھو اپنے دولتمند اعزا کے سوانح اور واردات کے راگ گایا کرتی ہیں۔ کبھی ان کے دانستہ یا نادانستہ طعن آمیز فقرے پر کھنچ جاتا ہوں، منہ پھلا لیتا ہوں، پھر اُن کے چالاک اور بے پناہ عشوہ و ناز سے جلد بلا عذر من بھی جاتا ہوں۔ میں ایک کھلونا ہوں، جیسے چاہیں کھیلیں، دور پھینکیں، پھر گلے لگالیں۔ سلیقہ کا یہ حال ہے کہ کھانا پکانا اُن کے گھر میں عیب ہے، باورچی پکاتا ہے، کپڑے سینا ان کے ہاں گناہ ہے، درزی سیتا ہے۔ کتابیں یعنی افسانے خوب پڑھا کرتی ہیں، میز پوش، غلاف اور رومال پر کشیدے خوب کاڑھ لیتی ہیں یا پان بنا لیتی ہیں۔ اب میں سوچتا ہوں کہ میری آئندہ زندگی بسر کرنے کی صرف تین صورتیں ہیں:۔

(۱) یا بیگم میکے سے اتنی دولت لیکر آتے کہ پھوہڑ بدسلیقہ ہونے کے باوجود ہم زندگی بھر چین اُڑائیں۔ مگر خسر صاحب کی جائداد تین بیٹوں چار بیٹیوں اور بیوی میں بٹ بٹا کر اتنی نہیں رہ جاتی کہ ایک جوڑے اور اس کے آنے والے بچوں کا گزارہ ہو سکے۔ میر صاحب ایک سینیر ڈپٹی کلکٹر ہیں اور زیادہ تر اُن کی بیش قرار تنخواہ پر اُن کے سارے ٹھاٹھ موقوف ہیں۔ بیش قرار رقوم پر زندگی کے بیمے ہیں۔ مگر اُن کے وارث صرف بیٹے ہیں۔ زمینداری کافی ہے مگر وصولی مالگذاری کی حالت ناگفتہ بہ ہے جسے آپ جانتے ہیں۔

(۲) یا میں ایسی ملازمت پالوں کہ زندگی گذار سکوں۔

(۳) یا پھر تصور سے وحشت ہوتی ہے کہ سو پچاس کی ملازمت میں اِس پھوہڑ بیگم کے ساتھ کیسے گذارا ہو سکتا ہے۔ ابھی ایک بلبلہ ہے کہ ناچ رہا ہے۔ مخالف ہوا کا ایک جھونکا لگا نہیں کہ یہ پھوٹا اور سب نمود تمام (ایک لمبی سانس) میری کہانی تمام۔

احمد:۔ کیا اب بھی کوئی چارہ ممکن نہیں؟ تمہاری ساس سسر نیک دل، فرض شناس اور روشن خیال لوگ معلوم ہوتے ہیں۔ ان سے کہو بیٹی کو اب بھی ایک غریب گھر کی بہو بننے کے قابل بنائیں۔ خانہ داری کے سلیقے سکھائیں۔

جمیل:۔ سُبحان اللہ! وہ تو بیٹی سے زیادہ خود ایک بیوی ہیں خیر سے گود میں ایک بچہ بھی ہے۔ سیکھنے سکھانے کا نہ اب موقع ہے نہ ماں باپ کے بس کی بات۔

احمد:۔ تو تمہیں بیگم کو سمجھاؤ۔

جمیل:۔ میں باز کب آیا، مگر حِس کسے؟ حس تو جب ہو کہ میں اکڑ جاؤں اور اُن کے پیسوں سے اِنکار کر دوں۔ جب تک میں اُن کا محتاج ہوں کسی نصیحت یا مشورے کا وزن نہیں، اور انکار کی مجال نہیں۔

احمد:۔ پیسوں کی مار سے بُری دُنیا میں کوئی مار نہیں۔ میں ایسے باپ کو بھی جانتا ہوں جو بڑھاپے میں بیٹے کے محتاج ہوئے اور خونِ جگر پی پی کر زندگی کے دن بھرے۔ شوہر اور داماد کا رشتہ تو پھر نسبتی رشتہ ہے۔

تیسری شام

بعد افطار جمیل کا کمرہ۔ وہی احباب۔ چچا ایک خط پڑھنے کیلئے نکالتے ہیں:۔

چچا:۔ دوستو یہ ایک پُرانا خط ہے جو صغیر صاحب کے بکس سے نکال لایا ہے۔ وہ قسم کھاتے ہیں کہ اس کے بعد کوئی خط وصول نہیں ہوا نہ خود اُنہوں نے لکھا۔

(خط سُناتے ہیں)

"آپ کے خط سے سخت ملال ہوا۔ میں شرم سے پانی پانی ہوگئی۔ دو وقت کھانا نہیں کھایا۔ برابر رویا کی۔ ابا جان کہنے لگے کہ "اگر ضرورت روپے کی تھی تو شادی میں موٹر کیوں مانگی تھی۔ چار ہزار

کی موٹر پندرہ سو میں بیچ دینا کیا حماقت ہے۔ نقد روپے ہی لے لیتے تب بھی یا موٹر مجھے واپس کر دیتے، میں پورے دام دیتا، اس سے بڑھکر تو ان الفاظ سے میں کٹ گئی "جسے ایک شوفر کی تنخواہ دینے کی صلاحیت نہ ہو اُسے موٹر مفت بھی مل جائے تو بلائے جان ہے"

دوسرے درویش صغیر صاحب تشریح فرمائیں۔

صغیر:- بی۔ اے کے پہلے سال میں قدم رکھتے ہی میری شادی کے پیغام آنے لگے۔ ہر طرح کے خاندانوں سے، بعض ذی اثر، ممتاز، بعض عالی نسب، میرے ہم کفو متوسط الحال، بعض میرے جیسے غریب رشتہ دار، بعض دولتمند مگر نسب میں بہت پست۔ ان میں سب سے زیادہ کشش آخر الذکر خاندان میں تھی۔ جو دوسرے گرانقدر تحائف نقد وجنس کے ماسوا ایک سیڈانٹ شیورلے تازہ ساخت پیش کر رہا تھا۔ ابا ہڈی کی اونچی قیمت سے خوش، میں موٹر سے خوش، اماں کسی سے خوش نہ تھیں وہ کہا کرتیں "آج سو پشتوں سے ہماری ہڈیاں کسی ادنی ہڈی سے نہ ملی تھی۔ ہماری برادری میں جس کسی نے ہڈی بیچی فلاح نہ پائی۔ ہمارے پاس کچھ نہ سہی، ایک بزرگوں کی ہڈی اور خاندان کی آبرو ہے اُسے تو نہ بیچو۔" ابا نے قرآن حدیث سے اُن کا منہ بند کرنا چاہا کہ "اسلام میں ذات پات حسب نسب کوئی شے نہیں۔ یہ امتیازات ممنوع و مردود ہیں۔ ہم پر اسی مشرکانہ رسم کی نحوست ہے کہ آج ایسے خوار ہیں۔ حکمت نے ثابت کیا کہ مختلف خونوں کی آمیزش سے نسلیں جسم اور دماغ دونوں میں مضبوط ہوتی ہیں۔" مگر اماں کے دو اعتراضوں کا جواب ان سے بن نہ پڑا۔ گو وہ خاموش رہنے والے نہ تھے۔ ایک تو یہ کہ ہڈی اور خون کی کوئی قیمت نہیں تو تم آج یہ کس چیز کی قیمت وصول کر رہے ہو اور کیوں؟ کیا یہ اصول مساوات نسل و خون صرف مالداروں سے رشتہ کرنے کی اجازت دیتا ہے، غریبوں سے نہیں؟ تندرستی، حسن صورت، تعلیم و شائستگی ہر لحاظ سے دوسری قوموں اور خاندانوں میں ایک سے ایک لڑکی موجود ہے۔ مگر اصل بات کیوں نہیں کہتے کہ اصول ہڈی بیچکر دولت لانا ہے، بہو سے مطلب نہیں، کیسی ہی ہو۔ قرآن حدیث، حکمت فلسفہ اس بیچ میں لا کھڑا کرنے اور ان کو ذلیل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ برادری میں ایک سے ایک تندرست، قبول صورت نیک سیرت، سلیقہ مند، دیکھی سنی لڑکیاں موجود ہیں۔ میری بھتیجی اور خود تمہاری بھانجیاں ہیں جن کے نباہ کا حق بہت کچھ ہم لوگوں کے سر بھی آتا ہے۔ سب کو نظر انداز کرکے ایک دوغلی لڑکی کا انتخاب اس میں مال کے سوا کیا لعل جڑے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

بات تھی سچی سولہ آنے پکی۔ مگر مال کے زور کے آگے کوئی سچائی نہیں ٹہرتی۔ قصہ مختصر، شادی ہوگئی۔ برات دروازے لگنے سے پہلے کسی کو یہ خیال تک نہ آیا کہ موٹر لائی کس طرح جائیگی اور رکھی کہاں جائیگی۔ رہنے کو مکان واجبی ہی واجبی تھا، شوفر کا تقرر نہایت ازبحث تھا۔ ہمارے لئے موٹر رکھنا ہاتھی باندھنے سے کم نہ تھا۔ خیر ہوئی لڑکی والوں نے پوچھ لیا کہ "موٹر آپ کا شوفر لے جائے گا یا ہمارا؟" رخصتی اسی موٹر پر ہوئی تھی کہہ دیا گیا "آپ ہی کا شوفر لے جائے گا۔" یوں پہلی بلا تو ٹل گئی۔ چوتھی کے بعد موٹر سسرال گئی تو وہیں چھوڑ دی گئی۔

میں نے ایک دوست سے موٹر چلانا سیکھا۔ ایک مہینے میں خاصہ چلانے لگا۔ دوسرے مہینے میں لیسنس بھی حاصل ہوگیا۔ گھر سے متصل ایک اصطبل کرایہ پر لے لیا اور بیگم کہو یا خانم یا شیخانی یا سیدانی یا مجموعہ یعنی بیوی کو اس پر بٹھالایا۔ گو رستہ میں دو جگہ دو دو گھنٹے اسکے نخرے برداشت ہوئے اور دونا پٹرول جل گیا، جو محض ناتجربہ کاری کا نتیجہ تھا۔

گھر پہونچکر یاروں نے موٹر کو خوب توب ریٹیا۔ آخر پٹرول کا خرچ، اصطبل کا کرایہ، ایک چھوکرے کی تنخواہ، گدیوں کے غلاف، پردہ نئی ہونے کے باوجود پرزوں کے ادل بدل، اضافہ اور آئے دن مرمت کے بل، وہ مصیبت ہوگئی کہ آخر ابا نے نوٹس دے دیا "اصطبل کو مقفل کردو اور موٹر کی فروخت کا بندوبست کرو مگر اعلان نہ ہو۔ سسرال کے چپ چپاتے بیچ ڈالو۔" آخر پانچ ہزار کی نئی موٹر کے پندرہ سو دام لگے اور چوری کے مال کی طرح پندرہ سو پر بک گئی۔ یہ خبر وہاں پہونچی تو اس کا جو اثر ہوا جو تم خط میں سن چکے۔

اب سنو ہمارے ازدواجی تعلقات کا حال۔ دلہن بیاہ کر اول اول ہمارے گھر آئی تو ناک میں بلاق بھی تھا۔ ہمارے خاندان میں بلاق کا دستور نہیں، ہمارے ہاں اور طبقے کی عورتیں پہنتی ہیں۔ دُلہن کی رونمائی کے ساتھ شوخ چھوکریوں نے غل مچادیا "اے یہ تو بی بلاقن ہیں!" نندوں نے کہا "بھابی یہ ناک سے کیا لٹکا چلا آتا ہے، صاف کرو،" دلہن کی انا "ذرا انہیں پونچھ دو" دلہن کے ساتھ کی ماما بہت چراغ پا ہوئی مگر پرائے گھر کی مہان شوخ لڑکیوں پر کس کا بس تھا۔ وہ بی بلاقن بی بلاقن مشہور ہوگئی۔ دُلہن بھی ایسی بدمزہ ہوئی کہ دنوں مجھ سے کھنچی رہی۔ بلاق تو اسی رات اُس نے اتار پھینکا۔ خیر وہ دل کی بُری نہیں جلد ہی ہموار ہوگئی مگر اسکی ماں کو یہ بات ایسی ناگوار گزری

کہ پھر بیٹی کو سسرال رخصت نہ کیا۔

شب عروسی کے علاوہ دوسرے میں مجھ سے دو دو رسمیں کرائی گئیں کہ میری سو پشت نے نہ کی ہونگی نہ سنی ہونگی۔ اماں کے منع کر دینے پر بھی میں نے طلاق کے کفّارے میں آنکھیں بند کر کے سب ہفتوں سے ملے گئے۔ سے پہلے قصور سات پشتوں کے نام گالیاں سنیں۔ ہر درگاہ پر اور مخصوص درختوں کے نیچے فاتحہ پڑھوایا گیا۔ کنوئیں سے ایک ہاتھ سے پانی کھینچا۔ سالیوں کے ہاتھوں رنگ میں نہایا۔ کان مروڑوائے اور چوں نہ کی، جب کہیں یہ سرٹیفکٹ ملا کہ داماد نیک ہے، اس کا کچھ قصور نہیں۔

"دلہن بجائے خود ایک نیکدل اور وفا شعار بیوی ہے۔ اسکے خطوط سے تم قیاس کر سکتے ہو کہ وہ اپنی نہیں، میری رسوائی پر کڑھ رہی ہے۔ مجھ کو کوئی شکایت بیوی سے نہیں، اس کے گھرانے سے ہے، جہاں ہر تہوار، ہر جمعرات بلکہ مہینے میں کم سے کم بیس روز الانواع و اقسام کی بدعات و رسوم ادا ہوتی رہتی ہیں۔ نہ شرک کی تمیز ہے نہ کفر کی۔ اگر کوئی اعتراض کیجیے تو جھٹ اپنے پیر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اُن کا فتوٰے وحی والہام ہوتا ہے ایک دفعہ میرا اُن کا مباحثہ ہوگیا۔ میں نے قرآن حدیث سے دلیل طلب کی وہ جواب میں مثنوی مولانا رومی، دیوان شمس تبریزی یا عراقی و سنائی کے شعر پڑھنے لگے اور الا اللہ کے نعرے سے سبکو خاموش و مرعوب کر دیا۔ گھر کا یہ رنگ دیکھکر میں نے قرآن مجید کا ترجمہ، متراجم حدیث، مرحومین مولانا نذیر احمد، مولوی احسان اللہ عباسی، مولوی راشد الخیری کے نصیحت آموز قصے، مولانا اشرف علی تھانوی کی بہشتی زیور پڑھا دیں۔ یوں بھی وہ میرے خاندان کی دینداری کی بنا پر میری اور ہمارے خاندانی روایات اور علم کی عزت کرتی ہیں۔ سلیقہ بھی بہت اچھا ہے۔ یقین ہے جب ہم اپنا گھر بسائیں گے تو اچھی گذرے گی۔ مگر آج مجھے ان جہاں کی سرپرستی، محتاجی اور موٹر کی بھیک کا خیال بہت ستا رہا ہے۔ اور اس غلطی پر میں ہمیشہ پچھتایا کروں گا۔

چوتھی شام

بعد افطار صفیہ کا کمرہ۔ وہی احباب۔ چچا ایک خط نکال کر پڑھتے ہیں۔

"میں نے دو ہفتے سے خط نہیں بھیجا۔ تو مجبور تھی۔ لکھوانے کیلئے دوسروں کی محتاج۔ اختر کلکتہ چلے گئے۔ زکیہ سسرال میں ہے۔ لکھواتی کس سے؟ آج اختر آئے ہیں تو یہ خط لکھوا رہی ہوں۔ مگر آپ کو خط لکھنے میں کیا چیز مانع ہے؟ میں ویسی ہی ہوں جیسی آپ چھوڑ گئے ہیں ——!

یہاں درزی زنانہ کپڑے سینا نہیں جانتے۔ ایک ناپ کا شلوکہ اور کپڑے بھیجتی ہوں چھ اعلیٰ درجے کے بلاوز اور چار جمپر سلوا کر اپنے ساتھ لائیے گا۔"

تیسرے درویش انصاری صاحب تشریح فرمائیں۔

انصاری:- میری کہانی مختصر مگر افسوسناک ہے۔ دلّالوں نے سبز باغ دکھا دکھا کر ایک دور دراز ضلع میں میری نسبت ٹھہرائی۔ لائق فرزند کی حیثیت سے میری رائے کو کوئی دخل نہ تھا۔ والدین نے جہاں مناسب سمجھا بات پکّی کر دی۔ شادی ہوگئی۔ شب عروسی ہی میں دُلہن بخار میں جل رہی تھی۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی۔ مانجھوں کی طویل مدت میں دُلہن کا بند کمرے میں مقید رہنا، پھر بیاہ کے دن بناؤ سنگار رسنوار کی طوالت، پہلو تک آپ سے بدلنے کا اختیار نہ ہونا، وہ شدائد ہیں جن سے اکثر دلہنوں کو بخار چڑھ آتا ہے، لرزہ آجاتا ہے۔ میں یہی سمجھا۔ مگر دو چار روز میں ہی مجھ پر کھل گیا کہ یہ جنم کی روگی ہے۔ اسی لئے وہ نہ پڑھ لکھ سکی نہ گھر کے کام دھندوں میں لگائی جاسکی۔ آتا جاتا کیا خاک جب جان کے لالے پڑے ہوں۔ جوان ہوگئی، قرب و جوار میں کوئی بر نہ مل سکا تو دوسرے اضلاع میں طلائی ڈورے ڈالے گئے اور میں پھنس گیا۔ دین مہر بھی چالیس ہزار باندھا گیا اور نقد و جنس اتنی مقدار میں ملے کہ مہر کی رقم سے انکار کا منہ نہ رہا۔ جو دین واجب الادا نہ سمجھا جائے وہ چار ہو یا چالیس ہزار سب برابر ہے۔

اب مجھے بیوی کے علاج کی فکر ہوئی۔ اب تک ملیریا اور خرابی جگر کا علاج ہو رہا تھا۔ اب تک لیڈی ڈاکٹر سے رجوع نہیں کیا گیا تھا۔ کنواری لڑکی اندرونی حالت بیان نہ کر سکتی تھی، اور معلوم بھی ہو تو اس کا طبی معائنہ سخت عیب سمجھا جاتا ہے۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ تپ دق کا میلان اور امکان ہے۔ غالباً یہ ڈاکٹر کا گمراہ کن اخلاق ہے۔ مجھے شبہ ہے کہ تپ دق موجود ہے۔ ساتھ ہی معمولات کی سخت اور مزمن بے قاعدگی اگر دفع ہوگئی اور خون صالح پیدا ہونے لگا تو صحت کی قوی امید بتائی جاتی ہے۔ نقل و حرکت، تبدیل آب و ہوا اور غذا میں سخت پرہیز سے اب اتنا ہے کہ بخار ہفتہ دو ہفتہ چھوٹ جاتا ہے، پھر ذرا سی تکان یا بد پرہیزی سے آپہونچتا ہے۔ غرض شادی کے تمام تحائف اور مجہوزات میں سب سے بڑا تحفہ جو میرے حصّے میں آیا

ہے وہ دائم المرض بیوی کی دائمی نگرانی اور پریشانی ہے۔ اس بیچاری کے پاس نہ علم ہے نہ ہنر۔ زود رنج، کمزور اور محض واجب الرحم۔

یہ ہے میری ازدواجی زندگی۔ اگر صرف صحت میسر ہوتی تو مجھے سسرال کی محتاجی کی رسوائی بھی گوارا تھی۔ یہ بیماری کی کوفت مرے پر سو دُرّے ہیں۔

اب چوتھے درویش کی کہانی شروع ہو۔

چچا خط پڑھتے ہیں۔

"خط ملا چین آیا۔ جدائی کی کٹھنائی چند روز اور ہے۔ اسے جبر اور صبر سے کاٹیئے۔ اللہ پھل میٹھا دیگا۔ میری تکلیف کا خیال نہ کیجئے۔ اوّل تو مجھے کوئی تکلیف ہی نہیں اور ہو بھی تو حس نہیں۔ میں تو یہ سمجھ رہی ہوں کہ ہم نے ابھی زندگی شروع ہی نہیں کی ہے۔ اصل زندگی اُس وقت شروع ہوگی جب ہم اکٹھے بسر کریں گے۔ پیٹ تو آج بھی بھر جاتا ہے دل آپ کی صورت دیکھ دیکھ کر بھریگا"

چچا کی آواز بھرّا جاتی ہے۔ اور رومال نکالکر جھٹ آنکھ پونچھ ڈالتے ہیں۔

احمد:۔ چچا آپ دل گرفتہ کیوں ہو گئے؟ یہ تو خوش نصیب شوہر معلوم ہوتا ہے۔

چچا:۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ مَیں اپنی روداد سُناؤں گا تو میری دل گرفتگی کا سبب معلوم ہو جائیگا۔

چوتھے درویش سلیم صاحب اب خط کی تشریح فرمائیں۔

سلیم:۔ دوستو، مَیں آپ بیتی سُنانے سے پہلے بطور تمہید اپنے بڑے بھائی کی کہانی سُناؤنگا۔ جس نے میرے تخیل ازدواج کو بہت متاثر کیا اور میری زندگی کی تعمیر میں معاون ہوئی۔

بھائی صاحب کی پہلی بیوی کا انتقال ہوگیا، دوسری کی تلاش ہوئی وہ منصف ہیں اور معاشی لحاظ سے خوش۔ معقول نسبتوں کو چھوڑکر اُنہوں نے ایک اعلیٰ طبقہ کی تعلیم یافتہ نوجوان بیوہ پسند کی جس کا شوہر شادی کے ایک ہفتہ کے اندر ریل کے حادثہ بھٹا میں ہلاک ہوگیا۔ دولت وافر تھی، بیگم سے براہِ راست خط و کتابت شروع ہوئی۔ مراسلہ مکالمہ، معاشقہ کے سب مراحل طے ہو لئے تو عقد ہوا۔ ستّر ہزار دین مہر قرار پایا۔ احباب کہتے تھے یہ مثالی ازدواج ہے اور دولھا دُلہن کی زندگی قابلِ رشک ہوگی۔

بھائی ملازمت پر باہر رہتے تھے۔ چھ مہینے کے اندر ہی پتہ چلا کہ بیگم صاحبہ کی بے تکلفی ایک نوجوان سے ہے۔ بھائی نے تفتیش کی۔ رخصت لیکر بے وقت آدھمکے۔ اُسے گھر میں پایا۔ مگر اُسے کارپرداز کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ بھائی نے برطرف کرنے پر اصرار کیا۔ بیگم نے اپنے نجی معاملات میں اس مداخلت پر احتجاج کیا اور اڑ گئی۔ بات بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہونچی کہ بھائی نے اس نوجوان پر چوری اور مداخلت بیجا کا بہتان باندھکر چالان کرا دیا۔ بیگم نے ضمانت پر اُسے رہا کرا لیا اور پیروی کرکے بری کرا دیا۔ ایک طرف عدالت میں اُس نے اپنی صفائی کے بیان میں بیگم کی محبت کا اظہار کیا، دوسری طرف وہ بیگم کے گھر میں پھر رہنے سہنے لگا اور کارپرداز بنا رہا۔ بیگم اب میاں کی صورت دیکھنے کی روادار نہیں۔ مہر کی نالش کے خوف سے بھائی سب کچھ دیکھتے ہیں اور دم نہیں مار سکتے۔ دوسری شادی کی مجال نہیں۔ بے کیف اور بے مآل زندگی بسر کر رہے ہیں۔

گھر بسانے کیلئے اب مجھ پر شادی کے تقاضے شروع ہوئے بھائی کا ازدواجی تجربہ میرے لئے کافی درسِ عبرت تھا۔ پیغامات آتے رہے مَیں انکار کرتا رہا۔ مال دولت، حُسن و جمال، تعلیم و شایستگی، ہر چیز کا لالچ دیا گیا اور جال بچھائے گئے۔ میں نے کہا ؎

بروایں دام بر مُرغ دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

نہ مَیں دولت و ثروت کا قائل رہا تھا نہ ملاقات و معاشقہ اور کورٹ شپ کا۔ میری نظر ابتدا سے اپنی بہن کی نند پر تھی۔ بہن کی سسرال والے ایک بار مونگیر کے زلزلہ سے پناہ لیکر ہمارے ہاں قامت گزیں تھے۔ میں کوئی چودہ پندرہ برس کا ہونگا وہ کوئی دس گیارہ برس کی۔ اس کے سدھارن خط و خال مگر شوخ سادگی میں ایسی دلکشی تھی کہ بتا نہیں سکتا کہ اس میں کیا چیز دلربا اور موہنی ہے۔

خوبی ہمیں کرشمہ ناز و خرام نیست
بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

لہذا جمالیاتی تجزیہ ناممکن ہے۔ مجملاً موزونی کہہ لو۔ سیرتاً اس کی سیرچشمی، بلند نظری، عالی ظرفی، جو بالخصوص غربت میں قابل قدر ہے ساتھ ہی تعلیم اور تعلیم سے زیادہ ذہانت، شایستگی سلیقہ نے میرے دل پر ایک پائدار نقش بٹھا رکھا تھا، نفسانی آلودگی سے پاک تین ہفتہ میں نے اس کی مشقوں کی تصحیح کی، ادبیات کے سبق دیتے تھے۔ لیکن بلا کی ذہین پایا۔ ان تعلقات کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ عرصے تک میرے سامنے آتی رہی۔ میں جب بہن کی سسرال جاتا تو نہ اس کی ماں مجھ سے پردہ کرتیں نہ حلیمہ کو چھپاتیں۔ چار سال یہ سلسلہ قائم رہا میری

گرویدگی بڑھتی رہی، چودھویں یا پندرھویں سال مجھ سے اس کا پردہ کیا گیا۔ کچھ دن بہن کی وساطت سے مجھے اصلاح مشق کے بہانے سے اسکے خط ملتے رہے۔ پھر بہن نے یہ راہ بھی مسدود کر دی۔ حلیمہ خواب ہوگئی مگر ایسا خواب جو بھلائے نہ بھولے۔

بہن نے میرے دل کا بھید کچھ پا لیا تھا۔ نند کے نباہ کا بوجھ بہت کچھ ان پر بھی تھا۔ اس کی کبھی کچھ سکی نہ ہونے دیتیں۔ مجھ پر شادی کے لئے قدغن ہونے لگا تو بہن سے اشارہ کر دینا کافی تھا۔ انہوں نے پوچھا "تمہارے مطالبات؟"

میں نے کہا "پوری جائداد میرے نام لکھوا دو اور دس ہزار نقد دلواؤ۔ جہیز معاف"

بہن نے ہنسکر کہا "دل لگی چھوڑو، کام کی بات کرو، تم کیا چاہتے ہو—؟"

"حلیمہ کو"

"یہ تو ظاہر ہے۔ فرمائشات کیا ہیں؟"

"فرمائشات پوری کرنا مرد کا کام ہے۔ عورت سے فرمائشیں کرنے والے یا ان کی دولت اڑانے والے کون ہوتے ہیں بتادوں؟"

"عجب بھولے ہو۔ میں یہ نہیں کہتی کہ ان کو لوٹ لو مگر کم سے کم اتنا تو لے چلو جتنا ہمارے ابا نے میری سسرال کو بھرا ہے"

"آپا میں کہہ چکا، مجھے لڑکی بیاہنا ہے پیسے کمانا نہیں۔ اسے کھلانا ہے اس کا کھانا نہیں"

غرض شادی ہوگئی۔ میں نے کچھ طلب نہ کیا بجز اس کے کہ پانچ ہزار مہر پر اڑ گیا اور منوا چھوڑا۔ لڑکی کے والدین نے جو کچھ اور جتنا چاہا بیٹی کو دیا اور اپنی حیثیت سے اچھا کچھ دیا۔

حلیمہ دلہن بنکر ہمارے گھر آئی تو اس نے سارا کارخانہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اداس گھر یکبارگی جگمگا اٹھا۔ وہ گھر بھر کے لئے ایک لازمی ہستی بن گئی۔ اسی سال میں بی۔ اے میں ناکام رہا۔ امسال جب میں تعلیم کے لئے یہاں آنے لگا تو اسے بلا کر کہدیا۔

"حلیمہ، تم دل تنگ نہ ہونا۔ یہ گھر ویسے تو ہمارا ہے مگر جو پیسے تم اٹھاتی ہو وہ بھائی کی کمائی کی امانت ہیں۔ ان پر ہمارا جائز حق نہیں۔ میں نے ان کی اور اماں کی بے کیف زندگی میں جان ڈالنے کو انہیں کے اصرار اور خاطر سے شادی کی ہے اور تمہیں بھی ہاتھ سے کھونا نہ چاہتا تھا، ورنہ ابھی نہ کرتا۔ ہمارے پیسے وہ ہونگے جو میں خود کماؤنگا۔ ابھی یوں سمجھو کہ تم میکے میں ہو یا مہمان یا مسافر"

ذہین حلیمہ جو عقل کی سلیمہ بھی ہے سب کچھ آپ سمجھتی ہے۔ میری انتہائی کوشش ہے کہ ہم جلد سے جلد اپنا گھر بسائیں۔ اور حلیمہ نہ میکے کی محتاج رہے نہ سسرال کی۔ میرے گاڑھے پسینے کی کمائی اس کا مایۂ افتخار ہو۔ حلیمہ کی ذات سے ہمارا مستقبل بحمد اللہ روشن ہے۔ آئندہ ہماری مالی حالت کیسی ہی ہو ہمیں بھروسا ہے کہ ہم خوش رہیں گے۔

پانچویں شام

بعد افطار۔ انصاری کا کمرہ۔ وہی احباب۔ چچا ایک خط نکال کر پڑھتے ہیں:۔

"اچھے پڑھنے والے شوقین آئے۔ کیا پڑھنے کیلئے بیوی سے جدائی کوئی ضروری شرط ہے؟ ایک برس یہ ہوا۔ ایک برس میں آپ بی۔ اے کرینگے۔ پھر ایم۔ اے یا قانون یا ٹریننگ یا ملازمت کی تلاش میں کئی برس صرف ہو جائیں گے۔ رہنے دیجئے اپنے اصول اور قانون اپنے پاس۔ میں ان کو تسلیم نہیں کرتی۔ آپ یہاں نہیں رہ سکتے تو میں آپکے وہاں رہ سکتی ہوں اور رہونگی۔ میری پھوپی اماں وہاں مجھے بار بار بلاتی ہیں۔ آپ ان کے گھر میں قیام رکھنا نہ چاہیں تو میں زور نہیں دیتی۔ مگر میں چند مہینے وہاں رہونگی۔ آپسے ملاقاتیں تو ہوا کریں گی صورت تو دیکھ لیا کرونگی۔ خاک ایسی زندگی پر تم کہیں اور ہم کہیں۔ اگر پھوپی اماں وہاں نہ ہوتیں جب بھی ہم کرایہ کا مکان لیکر وہاں رہ سکتے تھے اور آپ کے پڑھنے میں کوئی خلل نہ ہوتا۔ آپ کی فراغت اور مصروفیت روزگار تک ہم میاں بیوی ہونگے، دولہا دلہن کی حیثیت سے ساتھ رہنے کی گھڑی گذر چکی ہوگی۔ میں مردوں کا نہیں کہتی۔ عورت کی زندگی میں یہ سنہری گھڑی بہت مختصر ہوتی۔ بس ایک چنگاری کی تڑپ، یا بجلی کی کوند۔ اپنے خاص وقت پر یکبارگی آتی اور گذر جاتی ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے واپس نہیں لا سکتی۔ وہ کسی کے پروگرام کی پابند نہیں۔ بلکہ زندگی کا پروگرام اس حقیقت کو پیش نظر رکھکر بنانا چاہئے۔ یوں بکنے کو منطقیں بہت ہیں مگر عورت کی فطرت جو عورت کے نقطۂ نظر سے میں نے پیش کی ہے ایک اٹل واقعہ ہے، ہر منطق سے بالاتر"

چچا۔ واللہ یہ بیگم سچ کہتی ہے اور میاں کی بے وقت شادی پر دربردہ ملامت کر رہی ہے۔ بیگم نہایت حساس، ذہین، دل کی مضبوط، عاقلہ معلوم ہوتی ہے جو سنجیدگی کو خوش طبعی کے نقاب میں چھپانا جانتی ہے۔ پانچویں درویش جیلانی صاحب تشریح کریں۔

قریشی:- چچا ہوگئے نا آپ محو۔ اسی لئے میں کہتا تھا غیر محرم نوجوان بیویوں کے خط نہ پڑھے جائیں۔

جیلانی:- کوئی مضائقہ نہیں۔ میں خوش ہوں کہ چچا کے دل میں کوئی حرکت تو نمودار ہوئی۔ اِن تلوں سے تیل تو نکلا۔ رہی میری کہانی، سو یہ بہت مختصر ہے۔ دردناک بالکل نہیں۔ میری بیوی اپنی ماں باپ کی اکلوتی ہے اور زیادہ تر میکے ہی میں رہتی ہے۔ ہمارے گھر کی خانہ داری بھاوج کے ہاتھ میں ہے، اس لئے بھی وہ آزاد ہے۔ میں لمبی چھٹیوں میں گھر جاتا ہوں تو وہ بُلالی جاتی ہے اور جتنے دن رہتی ہے مہمان رہتی ہے۔ مگر یہ جُدائی کی طویل مدّت اُسے عذاب ہے۔ اُسے میکے سے رغبت ہے نہ سُسرال سے دلچسپی۔ وہ تو اُس دن کو گن رہی ہے جب ہم ایک ساتھ رہیں گے۔ بظاہر وہ ٹھنڈی اور خاموش لڑکی ہے۔ چہرے سے معلوم نہیں ہوتا کہ دل میں محبت کی آگ سُلگ رہی ہے۔ محبت اس کا عقیدہ ہے، فلسفہ ہے بلکہ دین وایمان۔ تعلیم خاصی ہے، مگر تعلیم سے زیادہ اس کی ذہانت غیر معمولی ہے۔ تخیّل بعض وقت توہّم کے حد تک پہونچ جاتا ہے۔ وسیع معنی میں وہ شاعرہ ہے۔ اس کی تحریر، گفتگو، حرکات وسکنات سب شعر ہیں۔ گو کبھی اس ذوقِ لطیف کو وزن وقافیہ کی قید سے ملوّث نہیں کرتی۔

دوستو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میرا بیان درویش کی کہانی سے گذر کر قصیدہ خوانی بنا جاتا ہے جو اس صحبت کا مقصد نہیں۔ ہم اُس منزل پر ہیں جہاں دلوں کی واردات شرمندۂ زبان نہیں ہوتی۔ لہذا اسے ناگفتہ یہ ہی رہنے دیجئے۔ چچا اب خود آپ کی باری ہے۔

چچا:- عزیز دوستو، ایک ہم جماعت بھتیجے کے چچا پکارنے یا تم سے کچھ زیادہ عمر کے سبب یا میری عربیت اور ننھی سی ڈاڑھی کے احترام یا جرم میں یا کسی وجہ سے تم نے مجھے چچا کے مقدّس لقب سے ممتاز کر رکھا ہے۔ آج میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ بے وقت شادی کی بدولت تعلیم اور معاش کی کشمکش نے مجھے چچا بنا رکھا ہے۔ میں نے عمر کا اوائل حصّہ عربی کی تحصیل میں گذارا۔ میرے والد خود عربی ادبیات کے فاضل اور گھر کی فضا مذہبی تھی۔ میری سولہ برس کی عمر میں وہ راہی جنّت ہوگئے۔ تمہارے دادا یعنی میرے چچا جن کے ذمہ میری پرورش اور تعلیم ہوئی مغربی خیال کے بزرگ ہیں، صرف اس معنی کہ انہوں نے مجھے انگریزی تعلیم میں لگا دیا۔ میٹرک تک پہونچتے پہونچتے میرا عربی اور انگریزی کا گنگا جمنی کلچر مذاکروں، ادبی رسالوں اور نظموں پر نمایاں ہونے لگا۔ برادری ہی میں لڑکی والوں کی نظر انتخاب پڑنے لگی۔

میرے مربّی چچا کے اولاد نہ تھی۔ دوسرے چچا نے اپنی لڑکی سے شادی کی تحریک کی، اُسے بھی میری مربیہ چچی نے ہی اپنی گود میں پالا تھا۔ مربّی چچا نے یہ نسبت قبول کرنے پر اصرار کیا۔ موقع کی نزاکت کے لحاظ سے نیز اس لئے کہ لڑکی کے ذاتی محاسن چشمدید تھے، میں راضی ہوگیا۔ کیا کرتا؟ ؎

تاب لاتے ہی بنے گی غالبؔ
واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

میرے خسر دولتمند نہ تھے۔ جب تک ہمارے اولاد نہ ہوئی میں ایک گونہ بے فکر رہا۔ بچّہ پیدا ہوتے ہی ہم دونوں میاں بیوی نے محسوس کیا کہ ہماری بڑھتی ہوئی ضرورتوں کو یہ چچا چچی نہ جان سکتے ہیں نہ پورا کرسکتے ہیں۔ مثلاً ہمارے ہاں کوئی بیمار ہو تو وہ لوگ محلہ کے پُرانے حکیم صاحب کو بلا فیس دکھا کر، دو چار آنے کی دوا پر قانع ہوجانے کے عادی ہیں۔ مجھے اپنی بیوی یا بچے کا علاج ڈاکٹر کو دو روپے فیس بارہ آنے کی دوا اور چار آنے کے سیب یا سنگترہ، تین روپے سے کم میں ناممکن نظر آتا۔ یہ آئیں کہاں سے؟ میٹرکیلیشن تو میں نے امتیاز کے ساتھ کرلیا۔ آئی۔ اے میں مالی اُلجھنیں بڑھیں۔ میں ناکامیاب رہا۔ کلکتہ چلا گیا۔ اور مختلف وقتوں میں تجارتی ملازمت، معلّمی، منشی گری، اخبار نویسی کے گوناگوں مشاغل سے بیوی بچّوں کی خبر لیتا رہا۔ کمائی کی کمی نہ تھی۔ ایک معمولی گریجویٹ سے بہت زیادہ حاصل کرلیتا تھا۔ اور مجھے اپنی آمدنی پر قانع نہ ہونے کی بجز ایک خلش کے کوئی وجہ نہ تھی۔ میں سوچتا تھا کہ ابتدا سے میں نے اپنی زندگی کا جو پروگرام بنا رکھا تھا وہ اُلٹ گیا۔ میں علمی امتیازات کا متمنّی تھا اور گریجویٹ بھی نہ ہوسکا۔ پانچ برس کی کشمکش کے بعد کسی اندرونی طاقت نے آہستہ آہستہ میری گردن کا پھندا رگڑتے رگڑتے توڑ ڈالا۔ میں نے صرف ٹیوشن پر قناعت کرکے امتیاز کے ساتھ آئی۔ اے کیا۔ بیوی بچّوں کے بالائی اخراجات کیلئے پندرہ روپے ماہوار کا انتظام کردیا۔ اگرچہ وہ تکمیل تعلیم کے بغیر میری آمدنی سے خوش اور مطمئن تھی مگر میرے میلانِ طبع سے واقف تھی۔ میرے دل کے خلا کو دیکھتی تھی۔ وہ گزارے کی اس قلیل رقم پر خوشی سے راضی ہوگئی اور اپنی خوشی اور آرام کو میری خوشی پر قربان کردیا۔ (بھرّائی آواز)

چھ برس میں تین بچّے ہوئے۔ دو مر گئے۔ آخری بچے کی ولادت ماں کی موت کا پیغام تھی۔

(سکوت۔ ضبط گریہ کی کوشش)

مرحومہ کی وفات سے ایک مہینے کے اندر چچا دوسری لڑکی سے

عقد کر لینے پر اصرار کرنے لگے۔ کچھ محبتِ فرزندی مگر زیادہ تر اُمید پر وہ میری بچی یا اپنی بیٹی کی نشانی کی پرورش کر رہے ہیں۔ مجھے شادی کے نام سے وحشت ہوتی ہے مگر کرنی ہے اور ہونی ہے۔ نہ کروں تو اُس کی نشانی کو کون پالتا ہے اور کب تک؟ اس جبری شادی سے دو سال کی مہلت لیکر یہاں آگیا ہوں کہ تکمیلِ تعلیم ہو جائے اور اس مشغلہ میں کچھ غم غلط بھی ہو۔

زکی:۔ چچا آپ نے یہ پھندا ایک بار ٹوٹنے کے بعد پھر گلے میں ڈالا تو آپ نرے چچا کے چچا ہی رہ جائیں گے۔ اپنا بچہ میرے حوالے کیجئے۔ ابتک میرے اولاد نہیں اور ہو بھی تو اُسے شوق سے پال لونگا۔

احمد:۔ اچھا تو آپ بھی شادی شدہ ہیں۔ لائیے بیگم کا خط۔

زکی:۔ بھئی ہوں تو شادی شدہ مگر میری جورو پڑھی لکھی نہیں، نہ کسی سے خط لکھوا کر بھیجتی ہے۔ نہ میری سسرال میں کوئی غالب یا اختر صاحب ہیں جو کان میلیے کی طرح کان پر قلم رکھے گلی گلی صدا لگاتے پھرتے ہوں

مگر خط اس کو لکھوائے کوئی تو ہم سے لکھوائے
ہوئی صبح اور رکھکر کان پر اپنے قلم نکلے

احمد:۔ پھر آپ کی بیگم کے اوصاف کیونکر معلوم ہوں؟

زکی:۔ وہ میں خود عرض کرتا ہوں۔ ملاحظہ ہو:۔

ہے وہ عالی مقام جورو کا — بے وضو لوں نہ نام جورو کا
سرفرازی کا اُس کی کیا کہنا — بن گیا جو غلام جورو کا
مَیں ہوں تہذیبِ نو کا شیدائی — کرتا ہوں احترام جورو کا
جَے پکاروں نہ نعرۂ تکبیر — ورد ہے صبح و شام جورو کا
اُس کی مرضی خدا کی مرضی ہے — امرِ حق ہے کلام جورو کا
کیا مجال اُس کا حکم ٹل جائے — سخت ہے انتقام جورو کا
مجھے کیا کام دیر و کعبہ سے — گھر ہے بیت الحرام جورو کا
سخت جانی مری ہو داد طلب — ہوں خصم بے لگام جورو کا
سیم و زر رکھتی ہے وہ سرخ سپید — رُخ ہے گو مشک فام جورو کا
اڑچیلا کھا کے تازیانۂ طنز — خر چابک خرام جورو کا
ہے دُعا اپنی گنجی چندیا پر — رہے سایہ مدام جورو کا
اے نکھٹو تمہیں پسند ہی ہو — سب پہ ہے لطفِ عام جورو کا

احمد:۔ حضرت نکھٹو، ہو تم چھٹے لُچے۔ تمہاری جورو دورو کوئی نہیں، تم نے ان سب جورو والوں کا مضحکہ اُڑایا ہے۔ بھئی قسم لے لو میں نے یہ سارے خطوط جس جذبہ کے ماتحت نکلوائے، پڑھوائے اور سُنے ہیں وہ مذاق اور تمسخر نہیں بلکہ خدمت اور خیر ہے۔ تھوڑی دیر کو سنجیدہ بنجاؤ۔ تم جانتے ہو ازدواج ہماری زندگی کا سب سے اہم پہلو ہے۔ ہم میں سے شاید ایک آدھ ہی ایسا خوش نصیب شادی شدہ جوان ہوگا جو اپنی ازدواجی زندگی کو تلخی سے قطعاً پاک پاتا ہو اور یہ نتیجہ خود اسی کی غلطی کا نہ ہو۔ اگر ہم اس حالت کے سدھار میں کامیاب ہوئے تو شاید یہ سب سے بڑی سماجی خدمت ہوگی اور یہ انجام پا سکتی ہے انہیں کی مدد سے جو اپنی غلطی کا خمیازہ بھگت چکے ہیں۔ آؤ ہم کوشش کریں کہ جو غلطیاں ہم کر اور بھگت چکے ہیں اُن سے ہمارے بھائی محفوظ رہیں۔ ہماری زندگیاں اُن کے لئے درسِ عبرت بنیں ؎

مَیں کسی کام کے لائق تو نہ تھا اے گیتی
ہاں مگر دیدۂ بینا کے بہت کام آیا

محمد مُسلم